اسلامی معیشت میں افراد کی بنیادی ضروریات اوران کی تکمیل میں معاشرہ کا کردار

ڈاکٹر فاروق عزیز ☆

تلخیص:

''عام معاشی اور اسلامی نکتہ نگاہ دونوں سے ضروریات کی تین اقسام ہیں یعنی حاجات، سہولیات اور تعیشات اول الذکر سے مراد بنیادی انسانی ضروریات ہوتی ہیں جن میں غذا، لباس اور رہائش شامل ہیں۔ قرآن مجید میں بالواسطہ اور احادیث میں بلاواسطہ انہیں کو ضروریات میں شامل کیا گیا ہے۔ ائمہ سلف کی رائے بھی یہی ہے۔ جہاں تک انفرادی طور پر ان کے مقداری یا معیاری پہلو کا تعلق ہے اس پر تحدید عائد کرنا بذات خود ناممکن ہے۔ تاہم اس حوالے سے قرآن مجید اور احادیث دونوں کی تعلیم میانہ روی کی ہے۔ میانہ روی سے مراد مبنی عدل ہونا یا متوسط یا بین بین ہونا ہے۔ باالفاظ دیگر انفرادی سطح پر ان کے تعین میں نہ تو اسراف وتبذیر سے کام لینا چاہئے نہ ہاتھ بالکل روک لینا چاہئے۔''

اسلامی معیشت:

ایک اسلامی معیشت میں معاشرے کے پس ماندہ اور غریب طبقات کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کی ذمے داری معاشرہ اور حکومت دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے تمام مسلمانوں کو باہم بھائی بھائی قرار دیا ہے اور مسلم معاشرے پر مجموعی طور پر یتمیٰ اور مساکین کی خصوصی نگہداشت کی ذمے داری عائد کی ہے اسی طرح احادیث میں بھی اس امر پر غیر معمولی زور دیا گیا ہے۔ دوسری طرف اسلامی حکومت کے بنیادی فرائض میں اس قسم کے تمام لوگوں کی نگہداشت کی ذمے

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، انچارج، شعبہ بزنس ایڈمنسٹریشن، وفاقی اردو یونیورسٹی

داری بھی شامل ہے۔اس طرح اسلام ایک دوطرفہ حکمت عملی کے تحت معاشرے کے غرباءاور پس ماندہ طبقات کی کم از کم ضروریات کی تکمیل کا انتظام کرتا ہے۔

عام مروج معاشی تصورات اور اسلامی نکتہ نگاہ، دونوں کے حوالے سے ضروریات کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔یعنی حاجات وضروریات، مسہلات ومیسرات اور تزئین، تحسین وتزخرف ہیں۔ان میں سے جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے اس سے مراد وہ انسانی ضروریات ہیں جن کے بغیر انسانی زندگی کا تصور ممکن نہیں ثانی الذکر سے مراد ایسی حاجات ہیں جن کی مدد سے انسانی زندگی میں راحت، سہولت اور آسائش اضافہ ہو جاتا ہے جبکہ آخری الذکر وہ ضروریات ہیں جن کا تعلق محض زینت وآرائش، نمائش، دکھاوے اور تفاخر سے ہے۔اس میں وہ تمام امور شامل ہو جاتے ہیں جن کا تعلق نمود و نمائش سے ہو مثلاً عالیشان مکانات، مہنگی کاریں اور دیگر اشیاء تفاخر وغیرہ۔ [1]

اس مقالے کا موضوع بنیادی طور پر اول الذکر ضروریات ہیں تاہم اس حوالے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ضروریات کا مفہوم متعین کرلیا جائے تا کہ ان کی تکمیل کے حوالے سے ذمے داری کا تعین ممکن ہو سکے۔ضروریات زندگی جہاں تک ضروریات کا تعلق ہے اہل لغت کے نزدیک اس سے مراد ایسی اشیاء ہوتی ہیں جن کی وجہ سے انسان مجبور ہو جائے۔ [2] یا جن کی انسان کو شدید حاجت ہو۔[3] یہ اشیاء اتنی ناگزیر ہوتی ہیں کہ ان کی عدم دستیابی کی صورت میں معاملات زندگی درھم برھم ہو کر رہ جاتے ہیں۔[4] اضطرار اسی سے ماخوذ ہے۔شرعی اصطلاح میں ایسی اشیاء ''حوائج اصلیہ'' یا بنیادی ضروریات زندگی کہلاتی ہیں۔اس سے مراد ایسی اشیاء لی جاتی ہیں جن سے انسانی ہلاکت وتکلیف دور ہو۔[5] بالفاظ دیگر اس سے مراد ایسی چیز لی جاتی ہے جن کے ازالے کی انسان خواہش کرتا ہو۔ [6]

جہاں تک ان ضروریات کا تعلق ہے انتہائی کم سے کم چار ضروریات ایسی ہیں جن کے بغیر زندگی کا تصور ممکن نہیں ہے۔ان ضروریات میں غذا، پانی، لباس اور مکان شامل ہیں۔اس سے زائد اشیاء کی تعداد اور ان کی مقدار پر اگرچہ کوئی واضح شرعی نص نہیں ہے جس سے ان کی حدود وقیود کا تعین کیا جاسکے۔تاہم بہرحال متذکرہ بالا ضروریات ایسی ہیں جن کے بغیر زندگی کا تصور بھی ممکن نہیں رہتا۔قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں بھی بالواسطہ انداز میں انہی اشیاء کو بنیادی ضروریات میں شمار کیا گیا ہے۔مثال کے طور پر سورۃ البقرہ میں جنت کی خصوصیات کے حوالے سے ارشاد ربانی ہے۔

''وقلنا یا دم اسکن انت و زوجک الجنة و کلا منھا رغداً حیث شئتما'' (سورۃ البقرہ آیت ۳۵)

''اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو۔''

اس حوالے سے ایک دوسرے مقام پر خدائے علیم وحکیم کا ارشاد پاک ہے۔

''ان لک الا تجوع فیھا ولا تعری ٥ وانک لا تظمؤا فیھا ولا تضحی ''(سورۃ البقرہ آیت ۱۹-۱۸)

''بے شک یہاں تم کو یہ (آسائش) ہے کہ نہ بھوکے رہو نہ ننگے اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ۔''

ان آیات مبارکہ میں جنت میں بھی کم سے کم چار بنیادی انسانی ضروریات کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں غذا، پانی، لباس اور مکان یا ایسی جگہ جہاں انسان موسم کی شدتوں سے محفوظ رہ سکے۔ سورۃ النحل آیت ۸۱-۸۰ میں گھروں، سامان معیشت اور لباس کو اللہ کی نعمتوں میں شامل کیا گیا ہے۔ جبکہ اسی سورۃ کی آیت ۱۰ اور ۱۱ میں بالترتیب پانی اور زمین سے حاصل ہونے والی مختلف پیداواروں کو اللہ کی آیات کہا گیا ہے۔

بعینہ احادیث مبارکہ میں بھی انہی چاروں کو انسانوں کی اساسی ضروریات میں شمار کیا گیا ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد پاک ہے کہ:

''لیس لابن آدم حق فی سوی هذا الغصال بیت یسکنه وثوب یواری به عورته وجلف الخبز و الماء'' (۷)

ابن آدم کا ان چیزوں کے علاوہ کسی چیز میں کوئی حق نہیں (اول) گھر جس میں وہ سکونت اختیار کرے (دوم) کپڑا یا لباس جس سے وہ اپنے بدن کو چھپائے (سوم) روٹی کا ٹکڑا اور (چہارم) پانی۔

علماء وفقہا نے اس حدیث میں حق سے مراد حاجت یا ضرورت مراد لی ہے اور ان اشیاء کو 'جسمانی ضروریات' کے ضمن میں شمار کیا ہے۔ ۸

جہاں تک مختلف علماء وفقہا کی اپنی آراء کا تعلق ہے وہ بھی اس ضمن میں مختلف نہیں ہیں۔ مثلاً امام غزالیؒ کی رائے میں انسان تین حوالوں سے مجبور ہے یعنی خوراک (مع پانی)، مکان اور لباس۔ ۹ امام سرخسیؒ نے بھی انہی اشیاء کو انسانوں کی بنیادی ضروریات قرار دیا ہے۔ ۱۰ امام شاطبیؒ بھی اس حوالے سے دیگر اکابرین سے متفق ہیں وہ بھی اس ضمن میں چار اشیاء یعنی ماکولات، مشروبات، سکونات، ملبوسات اور ان مع مشابہ اشیاء کو اس فہرست میں شامل کرتے ہیں۔ ۱۱

اس امر میں یقیناً کوئی شبہ نہیں کہ انسانی زندگی صرف انہی چار اشیاء سے ہی عبارت نہیں ہوتی۔ زندگی کی دیگر ضروریات بھی ہوتی ہیں۔ ان میں علاج معالجہ، خطرات سے حفاظت، تعلیم، شادی، بیماری کی صورت میں نگہداشت، سواری اور دیگر چیزیں بھی شامل ہیں اور مختلف احادیث مبارکہ میں ان کی بابت باصراحت اشارے بھی موجود ہیں۔ جہاں دیگر اشیاء کو اس فہرست میں شامل کیا گیا ہے مثلاً عمال کے لئے ضروری اخراجات، خادم اور رہائش وغیرہ۔ ۱۲ اس طرح ایک دوسرے مقام پر عامل کے لئے سواری کو بھی ضرورت میں شمار کیا گیا ہے۔ ۱۳

تاہم اس مقالے میں موضوع بحث کے حوالے سے اول الذکر چار ہی کے حوالے سے بحث کی جارہی ہے۔

ضروریاتِ زندگی کی مقدار یا معیارِ زندگی:۔

جہاں تک ان ضروریات زندگی کی مقدار یا معیار زندگی کے مقداری اور معیاری پہلو کا تعلق ہے ظاہر ہے اس حوالے سے کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ مقدار پر کوئی حد عائد کرنا یا اس کا تعین کرنا بذاتِ خود ممکن نہیں ہے۔ تاہم قرآن مجید اور احادیث مبارکہ دونوں میں اس ضمن میں بنیادی اصول ''معروف'' یا میانہ روی یا اعتدال کا ہے۔

جہاں تک اس اصطلاح کا تعلق ہے۔ قرآن مجید میں بچوں کو دودھ پلوانے والی ماؤں کے معاوضے کے ضمن میں اسی اصطلاح کو استعمال کیا ہے جہاں ارشاد ربانی ہے:

''والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة وعلی المولود له رزقھن و کسوتھن بالمعروف لا تکیف نفس الا و سعھا.'' (سورۃ البقرہ:۲۳۳)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس شخص کے لئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمہ ہوگا۔''

باالفاظ دیگر دودھ پلانے والی ماؤں کا معاوضہ عام دستور یا رواج یا طریقہ کار کے مطابق ہوگا اس کی مزید صراحت اسی آیت میں آگے یہ کہہ کر کر دی گئی کہ اللہ کسی نفس پر اس کی استعداد سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ یعنی یہ اجرت خاوند کی مالی صورت حال اور دیگر عوامل کو سامنے رکھتے ہوئے عام دستور کے مطابق متعین ہوگی۔ ۱۴؎

اس حوالے سے مختلف لغات میں بھی معروف کے معنی اسی مفہوم میں بیان کئے گئے ہیں مثلاً امام راغب اصفہانی اپنی لغت المفردات فی غریب القرآن میں اس سے مراد ہر وہ فعل لیتے ہیں جس کا اچھا ہونا عقل اور شریعت سے معلوم کیا جائے۔ ۱۵؎ اسی طرح ہدایہ میں معروف کے معنی اعتدال، متوسط ہونے یا بین بین ہونے کے بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۶؎

اس امر کی تصدیق ایک حدیث رسول سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوصفیان بن حربؓ کی بیوی حضرت ہندہ نے ایک مرتبہ بارگاہ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنے شوہر کے حوالے سے ناکافی نان نفقہ کی فراہمی کی شکایت کی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

''خذی من مال ابی سفیان ما یکفیک وولدک بالمعروف.'' ۱۷؎

''تو ابوسفیان کے مال میں سے اتنا لے لیا کر۔ جو تجھے اور تیرے بچوں کے لئے دستور (رواج) کے مطابق کفایت کر سکے۔''

بخاری میں اس کے الفاظ کچھ مختلف ہیں تاہم حاشیے میں اسی کے حوالے سے ''معروف'' کے جو معنی دیئے گئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

''وھو الذی یتعارفه الناس فی النفقة علی اولادھم من غیر اسراف''۔ ۱۸؂

''یہ وہ مقدار ہے جو لوگوں کے ہاں اولاد کے نفقہ کے بارے میں بغیر اسراف کے معروف ہو''۔

اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بنیادی ضروریات زندگی کی مقدار کا تعین بغیر کسی اسراف وتبذیر کے عام مروج طریقہ کار اور شخصی احتیاج وضروریات کے مطابق کیا جانا چاہیے۔

بنیادی ضروریات کی فراہمی میں معاشرہ کا کردار

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر صلاحیتوں کی طرح اکتسابِ رزق کی صلاحیت بھی تمام انسانوں میں یکساں نہیں رکھی۔ مدارج کا فرق پھلوں ۱۹؂ سے لیکر انسانوں تک محیط ۲۰؂ ایک ابدی حقیقت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پوری انسانی تمدنی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ ہر دور میں ہر علاقے میں ماسوا معدودے چند مستثنیات کے ایسے لوگ جو کمانے کی زیادہ صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں وہ وسائل رزق پر قابض ہوجاتے ہیں اور معیشت کا نظام اس طرح ترتیب دے لیتے ہیں کہ دولت کے تمام سرچشموں کا رخ ان کی جانب مڑ جاتا ہے اور لوگوں کی بہت بڑی اکثریت نان نفقہ سے بھی محروم ہوجاتی ہے۔ جسے آج کی اصطلاح میں دولت کی تقسیم میں عدم مساوات کہا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا رہا ہے کہ کہیں یہ عدم مساوات اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور کبھی یہ نسبتاً کم ہوجاتی ہے۔ کسی بھی غیر جانب دارانہ تجزیہ سے یہی حقیقت سامنے آتی ہے کہ درحقیقت یہی سب سے بنیادی معاشی مسئلہ ہے کہ کسی بھی معاشرے میں موجود اس معاشی تفاوت کو کیسے کم کیا جائے؟ اور ایسی کونسی معاشی حکمت عملی اختیار کی جائے جس کی مدد سے معاشرے کے منجملہ تمام ایسے لوگوں کی دادرسی کی جاسکے جو کم معاشی استعداد کے حامل ہیں یا جو معاشی جہد البقاء کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں۔

اس حوالے سے جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس حوالے سے اس کی حکمت عملی دوطرفہ ہے ایک طرف وہ اس مقصد کے لئے معاشرہ کو ذمے دار ٹھہراتا ہے تو دوسری طرف اس ذمے داری میں یکساں حصہ حکومت وقت کا بھی گردانتا ہے۔ ان دونوں پہلوؤں کا ایک اجمالی جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

بنیادی ضروریات کی تکمیل میں معاشرہ کا کردار

اس حوالے سے اسلام کی تعلیمات کے دو (۲) پہلو ہیں اول اخلاقی ہدایت وترغیب دوم آئینی اور قانونی پابندیاں۔ جہاں تک اول الذکر کا تعلق ہے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ کوئی اخلاقی تعلیم اس وقت تک موثر نہیں ہوسکتی جب تک قلوب واذھان تبدیل نہ ہوں۔ باہمی اخوت محبت کی موجودگی میں اخلاقی تعلیمات کے بیج سے سرسبز وشاداب برگ وگل نمو پاتے ہیں جبکہ برعکس صورت حال میں جبکہ اس قسم کے بیجوں کی آبیاری کے مواقع ہی نہ ہوں تو معاشرہ ظلم وفساد

کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن مجید فرقان حمید نے اس خشتِ اول پر خصوصی توجہ دی اور تمام مسلمانوں کو باہم بھائی بھائی قرار دیا۔

''واعتصموا بحبل الله جمعیا ولا تفرقوا واذکرو نعمت الله علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا''. (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۳)

''اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور الگ الگ نہ ہو جانا اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دل میں الفت ڈال دی اور تم اس نعمت کے طفیل بھائی بھائی ہو گئے۔''

اس کے ساتھ تمام مسلمانوں کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔

''واتقوا الله''۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۳)

''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔''

تقویٰ اللہ کی رضا کے حصول کا دوسرا نام ہے۔ اللہ کی رضا کے حصول کی منجملہ شرائط میں سے ایک یتیموں، مساکین اور اسیروں کی پرورش و کفالت بھی ہے۔ قرآن مجید میں ان طبقات کی نگہداشت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس حوالے سے بحث سے قبل یہ ضروری ہے کہ از روئے قرآن و حدیث یتیم اور مسکین کے معنی طے کر لئے جائیں۔

یتیم:۔

اس لفظ کا مادہ ی ت م ہے جس کے بنیادی معنی اکیلا اور تنہا رہ جانا کے ہیں۔ بن باپ کے بچے کو اس لئے یتیم کا جاتا ہے کیونکہ وہ اکیلا رہ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے معنی کمزور اور ضعیف ہو جانا، قاصر ہو جانا، تھک جانا اور درماندہ ہو جانے کے بھی آتے ہیں۔ نیز اس کے معنی فکر و غم کرنے، دیر کرنے اور غفلت کے بھی آتے ہیں۔ اس کے علاوہ حاجت و ضرورت کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ سورۃ الضحیٰ آیت ۶ میں پناہ سے محرومی کے معنی بھی آیا ہے۔

مسکین:۔

مسکین کا مادہ س ک ن ہے اس کے بنیادی معنی حرکت میں نہ رہنے، ٹھہر جانے، سکون کے ہیں۔ کسی شے کے حرکت کے بعد ساکن ہو جانا بھی اس کے معنی میں شامل ہے۔ اس بنیاد پر مسکین اسے کہا جاتا ہے جس کی حرکت کو فقر اور محتاجی نے کم کر دیا ہو۔ یہ فقیر سے زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ نیز ذلیل اور کمزور کو بھی مسکین کہتے ہیں۔ سورۃ الکھف میں اسے کمزوری اور ناداری کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مسکین سے مراد معاشرے کے وہ تمام افراد ہوتے ہیں جو کسی بھی وجہ

سے حرکت وعمل سے محروم ہوگئے ہوں یا ایسے لوگ بھی جو تنہا رہ گئے ہوں۔

اس پس منظر میں سورۃ الدھر کی مندرجہ ذیل آیات پر غور کیجئے۔

''**و یطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما و اسیرا انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاء ولا شکورا انا نخاف من ربنا یوما عبوسا قمطریرا**''۔ (سورۃ الدھر آیت ۸-۱۰)

''اور وہ یتیموں، مسکینوں اور اسیروں کو اللہ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکرگزاری۔ بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو اداسی اور سختی والا ہوگا۔''

یہاں توجہ طلب پہلو یہ ہے کہ آیت مذکور میں مسکین، یتیم اور اسیر کے الفاظ کا واحد اور نکرہ میں بیان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں قرآن مجید کسی قسم کی کوئی تخصیص روا نہیں رکھتا۔ اس میں تمام نوع انسانی کے اس قسم کے تمام افراد شامل ہیں۔ ۲۱۔ یہاں واضح رہے کہ امام رازی کے مطابق آیت مذکور میں کھانا کھلانے سے مراد محتاج لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور غم خواری کے منجملہ تمام صورتیں ہیں ان میں سے کھانا کھلانا محض ایک شکل ہے۔ ۲۲۔ اندازہ کیجئے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوری انسانیت کو ایک کنبہ قرار دیا اور ان لوگوں کو جو دوسروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ترین بندے گردانا ہے۔

''**الخلق عیال الله فاحب الخلق الی الله من احسن الی عیاله**'' ۲۳۔

''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اللہ کے نزدیک مخلوق میں پسندیدہ تین آدمی وہ ہے جو اس کنبے کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔''

رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسے کھانوں کو سخت ناپسند فرمایا ہے جس میں غربا یا مساکین کو نظرانداز کرکے صرف امراء پر توجہ دی جائے۔

''**شر الطعام طعام الولیمة یدعی لها الاغنیاء و یترک المساکین**'' ۲۴۔

یہاں تک کہ ایمان کامل کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی رکھی گئی ہے کہ انسان جو شے اپنے لئے پسند کرے وہی شے دوسروں کے لئے بھی پسند کرے۔

''**لایومن احد کم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه**'' ۲۵۔

''تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک کامل اہل ایمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔''

اس حوالے سے اس شخص کو مومن تسلیم کرنے سے ہی انکار کردیا گیا جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا

پڑوسی بھوکا ہو۔اس حوالے سے حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے:

''من اغلق بابه دون جاره مخافة علی اهله و ماله فلیس ذالک بمومن''۔ ۲٦

''جس آدمی نے اپنے اہل اور اپنے مال کا خوف کھاتے ہوئے اپنے پڑوسی کے لئے اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا تو وہ مومن نہیں ہے۔''

قرآن مجید فرقان حمید میں بھی اصل نیکی ضرورت مندوں پر مال خرچ کرنے کو ہی قرار دیا گیا ہے۔اس حوالے سے واضح ارشاد ربانی ہے کہ منہ کو مشرق کی طرف یا مغرب کرنا نیکی نہیں بلکہ نیکی یہ ہے کہ ایمان کو اس کی منجملہ شرائط کیساتھ قبول کیا جائے اور منجملہ تمام اقسام کے ساتھ ضرورتمندوں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے اپنا مال خرچ کیا جائے۔

''واتی المال علی حبه ذوی القربی والیتامی والمسکین وابن السبیل والسائلین و فی الرقاب''۔ (سورۃ البقرہ:۱۷۷)

''اور وہ اللہ کی محبت میں قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیروں اور سائلین پر اور گردنوں کے چھڑانے میں اپنا مال اللہ کی رضا کے حصول کے لئے خرچ کرے۔''

یہاں یہ واضح رہے کہ صاحب حیثیت لوگ معاشرے کے منجملہ تمام ضرورتمندوں کو جو مالی اعانت کسی بھی شکل میں فراہم کرتے ہیں وہ ایسے لوگوں پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ قرآن مجید نے دولت مندوں کی دولت پر اسے اہل حاجت کا حق کہہ کر پکارا ہے۔

''وات ذا القربی حقه والمسکین وابن السبیل ''(سورۃ بنی اسرائیل: ۲٦)

''اور تم قرابت دار اور محتاج اور مسافر کو اس کا حق دو۔''

باالفاظ دیگر اہل دولت کی دولت پر غربا اور ضرورتمند کا حق تسلیم کیا گیا ہے جسے ان تک پہنچانا صاحب ثروت لوگوں پر لازم ہے۔اور جو لوگ یہ حق حقدار تک نہیں پہنچاتے باالفاظ دیگر اہل حاجت کی ضروریات کی تکمیل نہیں کرتے وہ از روئے قرآن جہنمی ہیں۔سورۃ المدثر میں ارشاد ربانی ہے کہ'' جہنمیوں سے ان کے جہنم کے داخلے کی جب وجہ پوچھی جائے گی تو وہ کہیں گے کہ ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔اس حوالے سے قرآن مجید کے الفاظ یہ ہیں:

''ولم نک نطعم المسکین '' (سورۃ المدثر آیت ۴۴)

''اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے''

ایک دوسرے مقام پر ان کا انجام ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:۔

''خذوه فغلوه ثم الجحیم صلوه ثم فی سلسلة ذرعها سبعون ذراعا فاسلکوه.....
یحض علی طعام المسکین. ''(سورۃ الحاقہ آیات ۳۰-۳۴)

''اس کو پکڑو اس کے گلے میں طوق ڈالو پھر اسے جہنم کی آگ میں ڈالو پھر اسے ایک ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو یہ یقیناً وہی ہے جو عظمت والے اللہ پر ایمان نہیں لایا تھا اور نہ ہی مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔''

گویا ترغیب وتہدید کے ایک توازن کے ذریعے اہل ایمان کو اہل ضرورت کی حاجت روائی کی ترغیب بھی دی جارہی ہے اور ایسے نہ کرنے کی صورت میں اس عمل کے بدترین انجام سے بھی آگہی دے دی گئی ہے۔

بنیادی ضروریات کی تکمیل میں حکومت کا کردار

ایک اسلامی حکومت کے بنیادی مقاصد میں فلاحی ریاست کا قیام واستحکام سب سے پہلی ترجیح ہوتا ہے۔ اور یہ اس کے بنیادی فرائض میں شامل ہے جیسا کہ حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ثابت ہے۔

''سمعت رسول الله عليه وسلم يقول من ولاه الله عزوجل شيئا من امور المسلمين فاحستجب دون حاجتهم و خلتهم و فقرهم احستجب الله تعالىٰ عنه دون حاجة و خلته و فقره''۔ ۲۷

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''جسے اللہ عز وجل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگراں بنایا وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھ رہا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔

شریعت کے حوالے سے خلافت وحکومت کا کوئی بھی ایسا کام جو اللہ کی رضا کے حصول کے لئے کیا جائے وہ عین عبادت وعین دین متصور ہوتا ہے۔ متذکرہ بالا حدیث سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ کوئی بھی حاکم وقت اگر اپنی مملکت میں لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرنے کا اہتمام نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا مستوجب ہوگا۔ اس حدیث میں فقر کا لفظ چاروں بنیادی ضروریات اور حاجۃ وخلۃ کے الفاظ دیگر تمام ضروریات پر محیط ہیں۔ ۲۸ اس امر کی مزید تصدیق ترمذی کے مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے:

''قال عمرو بن مرة لمعاوية انى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول مامن امام يغلق بابه دون ذوى العاجة والغلة والمسكنة الا اغلق المله ابواب السماء دون خلته و حاجته و مسكنته'' ۲۹

''عمرو بن مرو نے حضرت معاویہؓ سے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''جو امام ضرورت مندوں، فقراء اور مساکین پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے اللہ اس کی ضروریات، فقر اور مسکین پر آسمان کے دروازے بند کر لیتا ہے۔''

یہاں اس امر کی بھی صراحت ضروری ہے کہ حکومت یا حاکم وقت کی ذمے داری صرف بنیادی ضروریات کی تکمیل یا ریاست کو خارجی حملوں سے محفوظ رکھنے تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اس کا دائرہ کار بہت جامع اور غیر معمولی وسیع ہے۔ایک اسلامی ریاست میں خلیفہ کا کردار ایک باپ کی مانند ہوتا ہے جو رعایا کے منجملہ تمام امور کا نگراں و محافظ ہوتا ہے اس ضمن میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے:

''الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته فالا میر الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیته'' ۳۰؎

''سن لوتم میں سے ہر ایک آدمی نگراں یا حاکم ہے اور (روز قیامت) اس سے اس کی رعیت (ماتحت لوگوں) کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے گی تو (اس قاعدے کے تحت) لوگوں پر امیر یا حکمران بھی ایک نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا''

جہاں تک الفاظ راعی اور رعیت کا تعلق ہے یہ الفاظ لفظ ''رعی'' سے ماخوذ ہیں جس کے اصل معنی جانوروں کو چرانے کے ہیں اس بنیاد پر راعی سے مراد چرواہا اور رعیۃ سے مراد وہ ہے جس کو وہ چرائے یا جس کی نگہبانی پر وہ مامور ہو۔ باالفاظ دیگر ایک امیر کی حیثیت اس شفیق و محافظ چرواہے کی ہوتی ہے جس پر اس کے گلے سے متعلق تمام امور کی نگرانی لازم ہوتی ہے۔ ۳۱؎ اور وہ انہیں بہ حسن و خوبی انجام بھی دیتا ہے۔ایسے ہی حکمرانوں کی بابت حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ بشارت دی ہے کہ وہ حیات اخروی میں اعلیٰ درجات کے حامل ہوں گے۔

''ان المقسطین عند اللہ علی منابر من نور عن یمین الرحمن و کلتا بدبه یمین الذین یعد لون فی حکمھم واھلیھم وما ولوا۔'' ۳۲؎

''بے شک انصاف کرنے والے (حکام و امراء) اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر اس کے داہنے ہاتھ پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں یہ لوگ وہ ہیں جو اپنے فیصلے میں اپنے لوگوں میں اور اپنے زیر حکومت امور میں عادل ہوں گے۔''

اور اگر صورت حال برعکس ہو جائے تو ایسے حکام کے لئے ہادی برحق (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ وہ کسی صورت جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔

''مامن عبد یستر عیه اللہ رعیة فلم یحطھا بنصیعة لم یجدد رائعة الجنة'' ۳۳؎

''جس بندۂ خدا کو خدا نے کسی رعایا کا حکمران بنایا پھر اس نے اس کے ہاتھ پوری خیرخواہی نہ برتی تو وہ (حکمران) جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔''

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ان احادیث مبارکہ کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست یا

حکمران یقیناً اس ریاست میں رہنے والے لوگوں کو ان کی بنیادی ضروریات اور ان کے ساتھ دیگر تمام ضروریات کی فراہمی کی بھی ذمے دار ہوتی ہے تا کہ وہ لوگ کم سے کم اپنی ضروریات کی تکمیل کے ضمن میں پریشان نہ ہوں اور اپنی زندگی اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کے لئے صرف کر سکیں۔ اقبال کے الفاظ میں ع

نکتہ شرع مبیں ایں است و بس
کسے نہ باشد درجہاں محتاج کس

حوالہ جات

۱۔ حافظ محمد سعید اللہ، (مؤلف)، بنیادی ضروریاتِ زندگی اور اسلام، ص ص ۴۰-۴۱

۲۔ بطرس بستانی، محیط المحیط ،۲: ۱۲۴۲، تحت مادہ ضر

۳۔ سید عمیم الاحسان المجددی، قوائد اللغۃ، ص ۳۵۸

۴۔ ابو اسحاق الشاطبی، الموافقات (کتاب المقاصد، المسلہ الاولیٰ) ج ۲، ص ۴

۵۔ سید امیر علی، عین الہدایہ: ۱: ۹۴۵

۶۔ تفسیر قرطبی تحت آیت ''ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ'' (سورۃ الحشر)

۷۔ جامع ترمذی، ص ۳۳۹، طبع نور محمد، کراچی

۸۔ ملا علی قادری، مرقاۃ مشکوٰۃ ج ۹، ص ۳۶۸، مکتبہ امدادیہ، ملتان

۹۔ امام غزالی، احیاء علوم الدین: ۳، ص ۲۳۵، طبع بیروت

۱۰۔ امام سرخسی المبسوط: ج ۳۰، ص ۲۶۴، مصر

۱۱۔ امام شاطبی، الموافقات (کتاب المقاصد المسئلہ الاول) ۲: ۴، مصر

۱۲۔ سنن ابی داؤد (کتاب الخراج والفئی والامارۃ) ج ۲، ص ۱۴۰۹، اصح المطابع، کراچی

۱۳۔ ابو عبید، کتاب الاموال (اردو ترجمہ) باب ۴۰، ص ۳۹۷، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۶

۱۴۔ ابو عبداللہ القرطبی الجامع الاحکام القرآن: ۳: ۱۶۳، مصر، ۱۹۶۳

۱۵۔ امام راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص ۳۳۱، مصر

۱۶۔ بدایہ (اردو ترجمہ): ۲: ۳۳۳ (باب النفقہ) مطبوعہ قومی کتب خانہ لاہور

۱۷۔ (الف) ابوبکر الکاسانی، بدائع الصنائع (مترجم) ۱: ۴: ۶۶ طبع دیال سنگھ لائبریری، لاہور

(ب) قرطبی الجامع الاحکام القرآن: ۱۸: ۱۷ اطبع مصر ۱۹۶۳

(ج) المبسوط للسرخسی: ۵: ۱۸۱

۱۸۔ صحیح بخاری: ۲: ۸۰۷ طبع سعید کمپنی کراچی

۱۹۔ سورۃ الانعام آیت ۱۴۱

۲۰۔ سورۃ الانعام آیت ۱۶۵، سورۃ الزخرف آیت ۳۲

۲۱۔ حافظ محمد سعد اللہ، بنیادی ضروریاتِ زندگی اور اسلام، ص ۲۲۲

۲۲۔ تفسیر کبیر: ۳۰: ۲۴۴ طبع مصر

۲۳۔ مشکوٰۃ المصابیح، ص ۴۴۵، طبع سعید کمپنی کراچی

۲۴۔ سنن ابی داؤد: ۲: ۱۵۶۵ اصح المطالع، کراچی

۲۵۔ صحیح بخاری (کتاب الایمان) ج ۱ ص ۶ طبع دہلی

۲۶۔ الترغیب والترہیب للمنذری (کتاب البر والصلۃ): ۳: ۳۵۷، طبع مصر ۱۳۸۸ھ

۲۷۔ سنن ابی داؤد: باب فیما یلزم الامام من امر الرعیۃ والاستجاب

۲۸۔ حافظ محمد سعد اللہ، بنیادی ضروریات زندگی اور اسلام، ص ۲۵۹

۲۹۔ ترمذی، کتاب الاحکام باب ما جاء فی امام الرعیۃ، مستدرک

۳۰۔ (ا) صحیح مسلم (مع نووی): ۲۱: ۱۲۲ طبع کراچی

(ب) صحیح بخاری: ۲: ۹۷۷ طبع کراچی

(ج) ہیثمی: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۵: ۲۰۷

۳۱۔ سید سلیمان ندوی: سیرۃ النبیؐ، ج ۷، ص ص ۷۹-۸۰ طبع الفیصل ناشران و بازار، لاہور، ۱۹۹۱ء۔

۳۲۔ صحیح مسلم کتاب الامارۃ

۳۳۔ صحیح بخاری کتاب الاحکام باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح